تصدیق رسالت کے چند عقلی پہلو ☆

ڈاکٹر محمد الغزالی ☆☆
ترجمہ: عذرا نسیم فاروقی

اسلام کے بنیادی معنی ہیں: جھک جانا اور سر تسلیم خم کرنا (۱)۔ یہ دراصل اس واضح شعور اور طرز فکر کا نام ہے جس کو قبول کر کے انسان ایک مخصوص رویہ اور متعین طریقہ زندگی کا پابند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کی دینی زندگی کا تمام تر دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے طرز فکر خواہشات جذبات اور ارادوں کو رضائے الٰہی کا کتنا پابند بناتا ہے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی مرضی سے کسی جبر یا اکراہ کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع بنا دینے کی دعوت دیتا ہے (۲)۔ درحقیقت اسلام ہی وہ دین فطرت ہے جو انسان کے طبعی میلانات' فطری رجحانات' قلبی ترغیبات اور عقلی مطالبات کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور تطابق پیدا کر سکتا ہے۔

جب انسان اپنی ذات پر اللہ تعالیٰ کی مکمل حاکمیت کو قائم کرنے کا آزادانہ فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے "ایمان" کا نام دیا جاتا ہے' لفظ ایمان 'امن' سے ماخوذ ہے۔ ایمان کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان نہ صرف اپنی موجودہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بلکہ اس کے بعد پیش آنے والی اخروی زندگی میں بھی خوف اور حزن سے آزاد ہو کر مکمل طور پر امن اور سلامتی کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے (۳)۔ ایمان کے طفیل انسان کی اندر کی دنیا بھی مطمئن اور پر سکون ہو جاتی ہے اور باہر کی دنیا بھی امن و آشتی کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ یہ داخلی اور خارجی امن اسلام کی ایک

☆ یہ مضمون Muslim Education Quarterly کیمبرج (برطانیہ) کے شمارہ نمبر۴' جلد۱۱' گرما ۱۹۹۴ء میں 'Reason and Revelation: Conflict or Convergence' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ محترمہ عذرا نسیم فاروقی نے اس کو اردو میں منتقل کیا۔ اردو ترجمہ میں مصنف نے بعض تبدیلیاں کی ہیں ہم اس مضمون کو محولہ بالا مجلہ کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

(☆☆) ایسوسی ایٹ پروفیسر' ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد

امتیازی صفت ہے۔ جو لوگ اخلاص کے ساتھ اس دین میں پورے کے پورے داخل ہو جاتے ہیں ان کی زندگی ہر طرح کی مایوسی اور ملال سے آزاد ہو جاتی ہے (۴) لیکن انسان کو یہ امن اور سلامتی کی زندگی محض زبان سے اسلام کا دعوی کرنے سے نہیں مل جاتی بلکہ اسی وقت میسر آتی ہے جب اس کی حیوانی خواہشات اور اعلی روحانی مطالبات' اس کے وجدان' عقل اور اس کے ضمیر اور قلب کے درمیان مکمل ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسان کی شخصیت کا اصل محور اور مرکز اس کا قلب ہے اور یہی وہ مرکز ہے جہاں سے انسان کی عقل اور اس کے شعور و حواس کو تمام ہدایات جاری ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے ارادوں اور خواہشات کو اللہ تعالی کے احکام کا پابند کرنے کی دعوت بنیادی طور پر انسان کے قلب ہی کو دی گئی ہے اور یہ قلب انسانی ہی ہے جس سے اللہ تعالی نے وحی کے ذریعہ خطاب کیا ہے (۵)۔ اگر ایک مرتبہ انسان اپنے اندر ایمان کو راسخ کر کے اپنا دل پوری طرح اطاعت الہی میں لگا دے تو پھر اس کے تمام عقلی رجحانات اور احساسات خود بخود متاثر ہونے لگتے ہیں اور اس کی زندگی کا رخ اللہ کی طرف ہو جاتا ہے لیکن جب تک انسان کا دل ہی حقیقی ایمانی کیفیت سے عاری رہے تو محض عقلی توضیحات اور حسی توجیہات اس کے تعمیل حق کا ذریعہ نہیں بن سکتیں۔ دل اور دماغ میں توافق اور جذبات اور ضمیر کے درمیان ہم آہنگی پیدا نہ ہونے کی وجہ سے انسان کی زندگی توازن سے محروم رہتی ہے اور اس کی شخصیت مختلف خانوں میں بٹ کر رہ جاتی ہے۔

اللہ تعالی کی جن ہدایات کے سامنے انسان کو مکمل طور پر سر جھکا دینے کی دعوت دی گئی ہے ان کا مجموعہ قرآن حکیم ہے۔ ان قرآنی احکام کی مطلوبہ توضیح و تشریح اقوال و افعال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کی گئی ہے جن کو احادیث رسول میں محفوظ کیا گیا ہے (۶)۔ سنت رسولؐ مجموعی طور پر قرآنی احکام ہی کی مکمل تعمیل کا نام ہے جس کی تفصیلات تاریخ کے صفحات میں بعینہ محفوظ چلی آ رہی ہیں۔ اس طرح قرآن اور سنت اسلام کے دو مستند ترین ماخذ ہیں۔ جہاں انسان اپنے قلب' عقل اور حواس کے ذریعہ قرآن کریم سے احکام الہی کا علم حاصل کرتا ہے وہاں وہ زندگی کے تمام شعبوں میں سنت رسولؐ سے ان احکام کے متعلق عملی رہنمائی حاصل کرتا ہے (۷)۔ مزید بر آں ایسے تمام معاملات کے لئے جن کے بارے میں ان دونوں ذرائع سے

کوئی براہ راست ہدایات نہ ملتی ہوں، انسانی عقل کے لئے ایک میدان مہیا کیا گیا ہے جہاں وہ خدائی ہدایات اور حکمت نبوی کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے پیش آمدہ نئے مسائل کا حل تلاش کر سکتی ہے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسانی ارادے کا احکام الٰہی کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس دین نے عقل انسانی کی اہمیت تسلیم نہیں کی یا اس کو بے وقعت قرار دیا؟ یہ سوال اس لئے اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ ہم ایک ایسے دور میں رہتے ہیں جو علوم وفنون کی ترقی کا دور کہلاتا ہے۔ آج کا دور ایک ایسا دور سمجھا جاتا ہے جس میں انسان نے کائنات میں پوشیدہ قوتوں کو بڑے پیمانہ پر دریافت کر کے اپنے لیے مسخر کر لیا ہے۔ مظاہر فطرت کے بارے میں قدیم ادوار میں جو توہمات پائے جاتے تھے، آج کی جدید دنیا نے ان سے اپنے کو آزاد کر کے اس عالم فطرت کی دریافت کا راستہ معلوم کر لیا ہے اور جہاں اس نے نت نئی ایجادات کے ذریعہ زندگی کی بعض فوری مشکلات حل کرنے میں بے مثال کامیابیاں حاصل کر لی ہیں وہاں اس نے تجربہ اور مشاہدہ کی نئی نئی جہتیں ڈھونڈ کر نامعلوم کو معلوم کرنے کا ڈھنگ پتہ چلا لیا ہے۔

بلاشبہ یہ مسلمان حکماء اور فلاسفہ کا تاریخی کارنامہ ہے کہ انہوں نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں منہج استقراء کو ترقی اور توسیع دے کر مختلف تجربی علوم میں ترقیوں کے راستے کھول دیئے۔ اس لئے کہ قرآن نے انسان کو کائنات کا سراغ لگانے اور اس میں مستور خزانوں کو اپنے مصرف میں لانے پر جا بجا ابھارا ہے۔ خود مغرب کے اکثر غیر متعصب اور کشادہ دل مورخین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں (۸)۔ چنانچہ ہمارے دور میں جتنی سائنسی ایجادات ہوئی ہیں ان کا سلسلہ بالاخر ہمارے اسلاف کے اسی کارنامہ سے جا ملتا ہے کہ انہوں نے علوم طبیعی کو دریافت کرنے کا واضح اور مکمل تجربی منہج دریافت کیا تھا۔ اسی وجہ سے مظاہر فطرت کی توجیہ اور ان میں کارفرما قوانین طبیعت کو معلوم کرنے اور ان کو استعمال میں لانے کی بڑے پیمانے پر ترویج ممکن ہوئی اور یوں علوم و فنون کے اس عروج کی بنیادیں اسباب و علل پر مبنی قانون فطرت کی دریافت پر اٹھائی گئیں۔ اس طرح عالم فطرت کے بارے میں معلومات تک انسان کی رسائی یکایک اس قدر بڑھ گئی جتنی پہلے کبھی نہ بڑھی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فطرت کے ساتھ انسانی تعلق میں زیادہ خود اعتمادی پیدا ہو گئی اور بعض اوقات انسان اپنی عقلی فتوحات اور سائنسی کامیابیوں کے

نتیجہ میں غرور اور خود پسندی کا مظاہرہ بھی کرنے لگا۔ (۹)

اس تاریخی پس منظر کے ساتھ ہر ذہن میں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کہ وہ وحی الٰہی اور تعلیمات نبویؐ کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیں کس حد تک عقل کے تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے؟ کیا وحی اور عقل میں سے ایک کو قبول کرنا دوسرے کو رد کرنے کے مترادف ہے؟ کیا عقل کے انکشافات اور وحی کی ہدایات کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو پھر ان دونوں ذرائع علم کے آپس میں تعلق کی نوعیت کیا ہو گی؟

مندرجہ بالا تمام سوالات کا بہترین جواب ہمیں قرآن مجید ہی سے مل جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بکثرت ایسی صریح آیات موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق تک پہنچنے کے لئے اپنی عقل اور حواس کو زیادہ سے زیادہ کام میں لائے (۱۰) یہاں تک کہ قرآن حکیم میں انسان کو اس امر پر بھی ابھارا گیا ہے کہ وہ مظاہر فطرت پر زیادہ سے زیادہ غور و فکر کر کے اس نتیجہ پر پہنچنے کی سعی کرے کہ عالم فطرت کے معلوم حقائق اور ہدایات ربانی کے مطالبات کے مابین کوئی تعارض تو نہیں پایا جاتا (۱۱) اس لئے کہ قرآن حکیم نے ہمارے سامنے دنیا کا جو تصور پیش کیا ہے' اس کی رو سے فطرت اور ہدایت دونوں کا مأخذ ایک ہی وحدہ لاشریک ہستی ہے اور یہ دونوں تکوینی اور تشریعی سلسلے ایک ہی اصل یعنی توحید سے مربوط ہیں' جہاں ایک محکم قانون الٰہی عالم فطرت میں کارفرما ہے وہاں اللہ کا حکم بصورت وحی بھی نازل ہوا ہے۔ دیگر مذاہب کے برعکس قرآن اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ ہرگز نہیں کرتا کہ وہ اس کتاب مقدس کے ساتھ محض اندھی عقیدت پر اکتفاء کریں اور عقل و خرد کے دروازے اپنے اوپر بالکل بند کر لیں (۱۲)۔ اس کے برخلاف قرآن اپنے پیروکاروں کو بار بار یہ تلقین کرتا ہے کہ وہ یقین کی بناء پر کس چیز کو قبول یا رد کریں اور اور یہ یقین انہیں خوب سوچ سمجھ کر پورے اطمینان کے بعد حاصل ہونا چاہئے۔ قرآن کریم ہدایت دینے اور سیدھا راستہ دکھانے کا وعدہ بھی انہی لوگوں سے کرتا ہے جو پوری دلجمعی اور یقین و اعتماد کے ساتھ اس کو مانتے ہیں اور انتہائی سمجھ بوجھ سے کام لے کر گہرے فہم اور مکمل بصیرت کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں (۱۳)۔ اس طرح قرآن کا رویہ انسان کے علم اور اس کی بصیرت کے ساتھ انتہائی مثبت اور احترام کا رویہ

ہے۔ قرآن میں اہل علم کو ہی صحیح معنی میں مؤمن قرار دیا گیا ہے اور یہ بات وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا شخص کبھی بھی اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو علم کے نور سے منور ہو۔ (۱۴)

بایں ہمہ قرآن اور سنت انسان کے فوری حیاتیاتی مسائل کے بارے میں خاموش ہیں۔ مثال کے طور پر انسانی جسم کی بقاء اور آسائش کے سامان' آرام دہ رہائش' بہترین ماحول' مناسب علاج' ذرائع نقل و حرکت اور وسائل پیغام رسانی وغیرہ ایسے امور ہیں جو وحی کے دائرہ سے خارج ہیں۔ ان امور کا ادراک اور ان سے متعلق سوالات کا جواب انسان کو اپنے تجرباتی علوم سے معلوم کرنا چاہئے۔

اللہ سبحانہ و تعالی نے انسان کو اپنی رحمت سے بہت سے ذرائع علم عطا فرمائے ہیں جنہیں استعمال میں لا کر وہ اپنے گرد و پیش کی دنیا کا علم باسانی اور بخوبی حاصل کر سکتا ہے۔ انسان کے حصول علم کا سلسلہ اس دنیا میں آمد کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور جیسا کہ مشہور ہے انسان کا علم اس کے گہوارہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور گور تک جاری رہتا ہے۔ انسان کے حصول علم کا بے حد و حساب یہ سلسلہ اس کے دنیا میں آتے ہی اس لمحہ سے شروع ہو جاتا ہے جب وہ یہ سیکھتا ہے کہ اسے اپنے عمل تنفس کو برقرار رکھنے کے لئے رونے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اللہ سبحانہ و تعالی فطری الہام کے ذریعے نومولود بچوں کو یہ علم عطا فرما دیتے ہیں۔ جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو وجدان کے ذریعے اس کے علم میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وجدان کے ذریعے انسان کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ وہ خوش ہے یا غمزدہ' بیمار ہے یا صحتمند اور تازہ دم ہے یا تھکا ماندہ۔ جب انسان کوئی تکلیف محسوس کرتا ہے تو وجدان ہی کے ذریعے اسے اپنی اس کیفیت کا علم ہوتا ہے۔ یہ ایسا علم ہے جسے کوئی دوسرا شخص چیلنج نہیں کر سکتا اس لیے کہ کسی دوسرے انسان کے پاس ایسا کوئی خارجی ذریعہ موجود نہیں ہے جس کے ذریعے وہ اس وجدانی علم کی تصدیق یا تردید کر سکے۔ پھر جیسے جیسے انسان کی مزید نشوونما ہوتی جاتی ہے' اس کی معلومات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے' اور یہ وسیع تر علم اسے ایک اور ذریعے سے حاصل ہوتا ہے جسے ہم حواس خمسہ کہتے ہیں یعنی دیکھنا' سننا' چھونا' سونگھنا اور چکھنا۔ انسان کے یہ حواس اس کی عمر کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ ترقی کرتے جاتے ہیں اور پھر انہی کی مدد سے وہ اپنے متعلق اور اپنے ارد

گرد کے ماحول کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ان حواس سے حاصل کیے گئے علم کو محفوظ کرنے کے لئے بھی ایک اور اہم صلاحیت انسان کو عطا کی گئی ہے جسے ہم 'یادداشت' کا نام دیتے ہیں۔ یادداشت بھی انسانی علم کو وسعت دینے اور محفوظ کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حواس کے ذریعے جو علم حاصل کیا جاتا ہے' اسے ابھی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے انسان اپنی حاصل کردہ ان تمام معلومات کو ایک اور اعلی خانہ میں ڈال دیتا ہے' جسے عقل' کہا جاتا ہے۔

عقل کہاں سے ہدایات لیتی ہے؟ جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں انسانی شخصیت کا ایک بنیادی مرکز ہے اور وہ ہے قلب' وہاں سے عقل کو ہدایات جاری ہوتی ہیں۔ یہ قلب کی ہدایات ہی ہیں جو زندگی کے بارے میں انسان کے بنیادی رویوں کو متعین کرتی ہیں۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ حواس خمسہ کی مدد سے حاصل کردہ معلومات کو باہم مربوط کر کے اس سے نتائج اخذ کرتی ہے۔ اس طرح عقل انسان کو بہت سی معلوم اشیاء کی مدد سے نامعلوم اشیاء کے علم کے حصول میں مدد دیتی ہے لیکن دیگر ابتدائی ذرائع علم کی طرح چونکہ عقل بھی ٹھوکر کھا سکتی ہے اس لئے انسان کے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ اپنی عقل سے صرف مثبت اور مفید علم ہی حاصل کرے۔ نیز عقل بھی کسی متعین شدہ خاکہ کے بغیر کوئی علم آزادانہ طور پر حاصل نہیں کر سکتی اور یہ متعین شدہ خاکہ قلب اسے فراہم کرتا ہے۔

قلب وہ اعلی مقام ادراک و عرفان ہے جہاں زندگی کے بنیادی فیصلے سرانجام پاتے ہیں۔ قلب ہی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ انسانی دماغ میں عقل اور فراست کے جو ذخائر ہیں انہیں کن راہوں میں استعمال کرنا چاہئے۔ قلب کی اس راہنمائی کے ساتھ ساتھ انسانی دماغ کسی حد تک ماحولیاتی' تاریخی اور نفسیاتی عوامل سے بھی متاثر ہو کر بعض مخصوص نتائج تک پہنچتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ انسانی عقل و شعور کی اس درجہ بندی اور حصول علم و معرفت کے اس ارتقائی عمل میں ہر درجہ کی اپنی حدود ہوتی ہیں۔ ہر اونچا درجہ اپنے سے نچلے درجے کی تصحیح اور راہنمائی کرتا ہے۔ جبلی علم کی تصحیح وجدان سے ہوتی ہے' وجدان کی اصلاح حواس سے ہوتی ہے' حواس کو عقل کی روشنی میں ٹھیک رکھا جاتا ہے اور عقل کو بھی اپنے سے برتر اور اعلی تر درجے کی ضرورت ہوتی ہے جو مختلف معاملات میں اس کا مددگار اور

رہنما ثابت ہو سکے۔ قرآن حکیم کے مطابق یہ اعلی اور برتر درجہ قلب ہے۔ یہاں سے دماغ و زندگی کے بنیادی رویوں کی تشکیل کے لئے ہدایات جاری ہوتی ہیں۔ لیکن قلب انسانی بھی ایسی اعلی تر اور قابل اعتماد ہدایت کا محتاج ہے جو زندگی کے اہم ترین فیصلے کرنے میں اس کی مکمل راہنمائی کر سکے۔

انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کا اعلی ترین ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ وحی الٰہی ہی انسان کی پوری زندگی پر محیط رجحانات اور رویوں کو ایک واضح اور متعین رخ عطا کرتی ہے اور انسانی زندگی اور اس کے متنوع مطالبات اور تقاضوں کے درمیان ایک بامقصد توازن اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے اس طرح انسان کے جملہ ارادے' جذبات و خواہشات ایک اعلی نصب العین سے بالآخر مربوط ہو جاتے ہیں۔ جب انسان ہدایت کی اس روشنی کو پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اپنا لیتا ہے تو پھر یہ نور ہدایت انسانی شعور اور احساس کے اعلی ترین مقام یعنی قلب اور اس کے بعد عقل' حواس اور وجدان سے بالتدریج گذر کر اس کے ادنی ترین حیوانی درجہ یعنی اس کی جبلتوں میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن و سنت حیات انسانی کی بالکل ابتدائی اور فوری ضروریات کے بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کرتے' ان کے بارے میں انسان فطری طور پر خود بخود اپنے تجرباتی علم سے اور دیگر انسانوں کی فراہم کردہ مشترک علمی میراث کی مدد سے پتہ لگا لیتا ہے لیکن قرآن اور سنت کا منصب یہ ہے کہ انسانی زندگی کے اعلی حقائق اور ارفع مقاصد کو انسان کے قلب پر منکشف کر دیں۔ اس انکشاف سے وہ انسانی دماغ اور شعور کی قوتوں کو کام کرنے کے لئے ایک وسیع میدان مہیا کر دیتے ہیں جس کے اندر رہ کر وہ اپنے فکری ارتقاء کے مراحل' اخلاقی تعمیر کے مدارج اور روحانی ترقی کے معارج طے کرتا رہتا ہے۔ قرآن اور سنت ہی انسان پر یہ واضح کرتے ہیں کہ اس کا مقصد وجود کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟ اس لئے کہ یہی وہ بنیادی سوال ہے جو فوری طور پر ہر انسان کے ذہن میں آتا ہے کہ یہ سب کارخانہ حیات کس لئے سجایا گیا ہے اور خود اسے کس نے اور کیوں پیدا کیا ہے؟ اور اس عارضی زندگی کا انجام کیا ہونے والا ہے اور آیا اس زندگی کا کوئی متعین مقصد ہے یا یہ محض ایک اتفاقی حادثہ ہے کہ ایک انتہائی منظم اور مرتب کائنات وجود میں آگئی اور اس میں کچھ وقت انسان کو مل گیا جسے وہ جس طرح چاہے گذار دے

اور پھر خود بخود نسیاً منسیا ہو جائے' ظاہر ہے کہ اس طرح کے سوالات کا یقینی جواب فراہم ہونے سے ہی انسان کو اپنی زندگی کا مقصد' اس کے نقطہ آغاز' اور بالآخر اس کے مرحلہ انجام کا علم حاصل ہو سکتا ہے انسان کا تجرباتی علم یا محض عقل و خرد ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ دنیا کی کسی تجربہ گاہ سے یہ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کو کس نے اور کیوں پیدا کیا۔ تجربہ گاہیں انسان کو مختلف اشیاء کے بارے میں محض وہ علم فراہم کرتی ہیں جو کسی نہ کسی تجربے یا مشاہدے کے نتیجے میں سامنے آیا ہو۔ اس قسم کے طریقہ علم میں جس شئے کا پتہ لگانا مقصود ہو اس کو پہلے انتہائی خورد ترین درجہ پر لا کر پھر ایک مفروضہ پر تجربہ' پیمائش اور حساب کتاب کیا جاتا ہے۔

اس موجود اور مرئی عالم کون و مکان کی حقیقت' عالم بالا سے اس کے تعلق اور نسبت کے بارے میں تمام بنیادی سوالات کے جوابات صرف ایک ہی ذریعے سے ممکن ہیں اور وہ مستند اور اعلیٰ ترین ذریعہ وحی ہے جو اس قسم کے علوم کے حصول کے لئے ناگزیر ہے۔ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے اس کی زندگی کے متعلق انتہائی اہم اور بنیادی سوالات کے حتمی جوابات خوب وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں اور وحی کے مستند اور برحق ہونے کا ثبوت بنیادی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی گواہی سے فراہم ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ انسانی کی وہ برگزیدہ اور عظیم ترین شخصیت ہیں جو حامل دین مبین ہونے کے ساتھ ساتھ پوری انسانی تاریخ کی وہ واحد ہستی ہیں جن کی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے' آپؐ کی مکمل اور مثالی حیات طیبہ آفاقی سطح کی اخلاقی کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔ آپؐ معلوم تاریخ کی وہ واحد ہستی ہیں جس نے دوست اور دشمن سے یکساں طور پر امانت اور سچائی کا عالمگیر اعتراف حاصل کیا۔ آپؐ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو عہد پارینہ کی بھول بھلیوں میں گم ہو چکا ہو بلکہ اس کے برعکس آپؐ کی تمام تر زندگی تاریخ کے صفحات پر روز روشن کی طرح عیاں اور محفوظ ہے۔ یہی نہیں بلکہ تاریخ انسانی میں ان سوانح نگاروں کی ایک لمبی فہرست بھی ان کی مکمل تفصیلات کے ساتھ محفوظ ہے جنہوں نے نہایت باریک بینی اور عرق ریزی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ایک ایک پہلو پر تحقیق اور تفتیش کے میدان میں اپنی تمام تر ذہنی اور فکری صلاحیتیں کھپا دیں۔ ان مورخین کی اس بے لاگ اور انتہائی ناقدانہ تحقیق

کا یہ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرون خانہ یا بیرون خانہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے کسی بھی اہم یا غیر اہم پہلو کے بارے میں کوئی بھی چھوٹی یا بڑی بات ایسی نہیں مل سکی جو انسانی تہذیب واخلاق کے مسلمہ آفاقی اصول و ضوابط سے کسی معمولی درجے میں بھی ٹکراتی ہو۔

مندرجہ بالا بحث کے بعد ضمناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک عاقل اور دانا شخص جو سائنسی اور تکنیکی ترقی کے اس جدید دور میں رہتا ہو اس کے لئے کیوں ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ ہدایت ربانی کے آگے سرتسلیم خم کرے اور آپؐ کے طریقہ زندگی کے مطابق اپنے کو ڈھالے؟۔ بالفاظ دیگر ایک انسان یہ کیوں باور کرے کہ اس کی عقل سے ماوراء ایک اور اعلیٰ ذریعہ علم بھی موجود ہے جو اس کی فلاح دنیا اور سعادت آخرت کے لیے ناگزیر ہے جس تک اس کی رسائی از خود ممکن نہیں بلکہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد کرتے ہوئے اس ذریعہ کو قبول کرنا پڑے گا بالفاظ دیگر کیا غیب پر ایمان لانا عقل کے تقاضوں کے مطابق ہے؟۔

ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور ہر لمحہ حاصل ہونے والی معلومات کا ایک تنقیدی جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ہمارے ذخیرہ معلومات کا ایک بہت بڑا حصہ وہ ہے جس کو ہم نے دیکھ کر سن کر یا چھو کر گویا حواس کے ذریعہ حاصل شدہ مشاہدہ کی بناء پر یعنی کسی سائنسی معیار پر پرکھ کر معلوم نہیں کیا بلکہ ان معلومات کی اصل بنیاد وہ "اطلاعات" ہیں جو کسی نہ کسی مستند ذریعہ سے ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے ستاروں کے متعلق معلومات حاصل کرنے سے پہلے بذات خود کسی کہکشاں کی سیر کی ہو۔ کوئی شخص جو اپنے نسب کو اعلیٰ ترین قرار دیتا ہو یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنی پیدائش کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے اور اس بنیاد پر اپنے نسب کی تصدیق کی ہے۔ کتنے افراد ایسے ہیں جنہوں نے یہ یقین کرنے سے قبل کہ انسان کے سینہ میں دل نامی ایک چیز دھڑکتی ہے' انسانی سینوں کو چیر کر دیکھا ہے۔(۱۵) لوگوں کی کتنی تعداد ایسی ہے جو یہ دیکھنے کے لئے خلا میں گئی ہو کہ زمین واقعی گول ہے اور یہ سورج کے گرد اپنے مدار میں گھومتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو سان ماریو' مکاو یا لیش تن ستائن جیسی چھوٹی چھوٹی

ریاستوں میں بذات خود گئے ہیں' یہ یقین کرنے کے لئے کہ یہ واقعتاً اس کرہ ارض کی آزاد ریاستیں ہیں۔ علاوہ ازیں ہم میں سے کسی نے بھی کبھی حسن کامل کا مشاہدہ نہیں کیا' اس کے باوجود ہم سب حسن کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا فطری جمالیاتی ذوق اور حصول جمال کی شدید خواہش اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ حسن وجمال ممکن اور موجود ہے۔ بنی نوع انسان تکوینی طور پر یہ یقین رکھتی ہے کہ "جمال کا وجود ہے"۔ جب ہم کسی شئے کو حسین قرار دیتے ہیں تو ہم اسے مکمل حسن کی نسبت سے حسین قرار دیتے ہیں۔ حسن کے بارے میں ہمارے تصورات اسی لئے بامعنی اور درست ہیں کہ ان کا ایک نسبتی تعلق مکمل حسن کے ساتھ ہوتا ہے اور حسن کامل پر ہم بلا دیکھے ہی یقین رکھتے ہیں۔ اس کا آج تک کسی انسان نے مشاہدہ نہیں کیا۔

اب اگر کوئی شخص اس بات پر مصر ہو کہ وہ مندرجہ بالا تمام امور کو اس وقت تک درست قرار نہیں دے سکتا جب تک کہ یہ تمام معلومات اس کو ذاتی تجربے یا مشاہدہ سے حاصل نہ ہو جائیں تو ایسا شخص کبھی کچھ نہ جان سکے گا' بلکہ ایسے شخص کو تمام سلیم الطبع انسان مخبوط الحواس ہی سمجھیں گے۔ حتیٰ کہ ایک سائنس دان اپنی خالص سائنسی تحقیقات میں بھی گذشتہ تمام دریافتوں کو بلا چون وچرا تسلیم کرنے پر ہی اپنے تحقیقی کام کی بنیاد رکھتا ہے اور تبھی وہ اپنے علمی تجربہ اور مشاہدہ میں ایک قدم آگے بڑھانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اس طرح ایک سائنس دان کو بھی اپنے دائرہ کار میں ایک حد تک "ایمان بالغیب" کی بنیاد پر معلومات حاصل کیے بغیر چارہ نہیں۔

اوپر کی بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہم میں سے ہر ایک کو روز مرہ زندگی کی اشد ضروریات کے لئے ناگزیر معلومات کے حصول میں بھی ایک طرح کے غیب پر ایمان لانا (یعنی حواس سے پوشیدہ اور عقل سے محجوب علم کو محض ذریعہ علم کی تصدیق کی بناء پر قبول کر لینا) اٹل اور ناگزیر ہے اور ہماری زندگی کے اہم ترین رویے اسی نوعیت کے علم کی بنیاد پر تشکیل ہوتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ایک بڑی غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ علم وہی قابل قبول ہو سکتا ہے جو مشاہدہ کی گرفت میں آ سکتا ہو' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علم کا بہت تھوڑا حصہ وہ ہوتا ہے جو کسی تجربہ' مشاہدہ یا خالص عقلی استدلال کے ذریعے ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ دینی معاملات میں بھی یہی صورت حال ہے کہ علم دین کا واحد اور مستند ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

اقدس ہے جن کو اللہ سبحانہ وتعالٰی نے تمام انسانوں کے لئے ناگزیر علم حق ان تک پہنچانے اور اس کے تقاضوں کے مطابق ان کی زندگیاں سنوارنے کے لئے منتخب کیا تھا۔

جیسا کہ اس مضمون کے آغاز میں عرض کیا گیا تھا کہ انسان کی فوری مادی اور حیاتیاتی ضروریات زندگی کا علم اسے وجدان کے ذریعے عطا کیا گیا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وجدان کا علم بھی تمام انسانوں کو یکساں درجہ کا نہیں دیا گیا۔ کچھ لوگوں کو فطری طور پر دوسروں سے زیادہ جمالیاتی ذوق حاصل ہوتا ہے' چند لوگوں کا رجحان غیر معمولی طور پر کسی خاص فن کی طرف ہوتا ہے اور بعض افراد ایسے ہوتے ہیں' جنہیں قدرتی طور پر ادب اور شاعری کے ساتھ زیادہ لگاو ہوتا ہے۔ ایسے تمام افراد کے پاس اپنے مخصوص میدانوں میں جو علم بھی ہوتا ہے اسے بھی ہر معاشرے کے عامۃ الناس بے چون وچرا تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک اور مثال ہے اس امر واقعہ کی کہ ہم جن افراد کو کسی خاص میدان میں مستند مانتے ہیں محض ان سے حاصل شدہ "اطلاعات" کی بنیاد پر بغیر کسی براہ راست مشاہدہ اور تجربے کے بعض ضروری اشیاء اور امور کا مفید علم حاصل کر لیتے ہیں۔

چونکہ دین اسلام انسان کو انتہائی بنیادی اہمیت کی حامل ہدایات فراہم کرتا ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر گہرے اور دور رس اثرات ڈالتی ہیں اور انسان کے پاس ان تمام ماورائے کائنات حقائق کو جاننے کے لئے نہ کوئی اور ذریعہ ہے اور نہ وہاں تک اس کی محدود عقل کی رسائی ہے' اس لئے ان تمام حقائق کو خالق کائنات نے اس منتخب اور برگزیدہ ہستی پر ظاہر کر دیا ہے جو اپنی دانش اور دیانت میں درجہ کمال پر فائز ہے اور وہ ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لہٰذا انسان کی یہ اٹل ضرورت اور اشد احتیاج ہے کہ وہ ہدایت الٰہی کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دے اور تعلیمات نبویؐ کے سامنے پورے طور پر زانوئے تلمذ تہ کرے۔ قرآن اور سنت کی کامل پیروی انسانی زندگی کو ایک واضح بامقصد اخلاقی جہت اور اعلیٰ روحانی غایت عطا کر دیتی ہے' جس کے نتیجہ میں اس کا کائنات اور ماورائے کائنات کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم ہو جاتا ہے اور اس تعلق میں استحکام اس وقت پیدا ہوتا ہے' جب انسان شعوری طور پر اللہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنے کی سعی کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ جو تمام موجودات کا خالق اور جملہ مخلوقات کا رازق ہے' وہی انسان کا پروردگار اور مالک بھی ہے' اس نے انسان کو ایک

متعین مقصد کے لئے پیدا کیا ہے' لہٰذا انسان کی دنیوی فلاح اور اخروی سعادت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے ارادوں اور امکانات کو اپنے مالک کی منشا کے تابع کر کے اس کی رضا کا متمنی رہے۔

مندرجہ بالا گذارشات کی روشنی میں ہم بجا طور پر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسانی ارادے کا خدائی احکام کے تابع اور مطیع ہونا کسی بھی صورت میں اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ انسانی عقل اور معلومات کے تمام دوسرے ذرائع کو کسی بھی حیثیت سے مسترد یا نظرانداز کیا گیا ہے۔ البتہ انسانی ارادے پر رضائے الٰہی کی بالادستی اس کو نور حق عطا کر کے صحیح منزل کی جانب گامزن کر دیتی ہے اور وہ جہالت کے مختلف اندھیاروں میں بھٹکنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وحی الٰہی جہاں انسان کو ایک واضح مقصد حیات عطا کرتی ہے وہاں اسے یہ آزادی بھی ضرور دیتی ہے کہ وہ انسانی تہذیب و تمدن کے صحت مند اور بامعنی ارتقاء کے لئے اپنی تمام تر عقلی صلاحیتوں اور کاوشوں کو بروئے کار لائے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اس صحیح رخ کو اختیار کرتے ہوئے انسانی معاشرہ ترقی کی راہوں پر بھی گامزن ہو سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے کو عقل و خرد کی گمراہ کن موشگافیوں اور نفس کو بے راہ روی سے بھی محفوظ و مامون رکھ سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ القرآن : ۳: ۸۳ القرآن : ۴۹ : ۱۴ (ان آیات میں اور ان کے علاوہ بھی کئی مواقع پر لفظ اسلام کے مختلف مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔

۲۔ القرآن : ۲ : ۲۵۶

۳۔ القرآن : ۶ : ۸۲

۴۔ القرآن : ۵ : ۶۹

۵۔ القرآن : ۲۶ : ۱۹۴

۶۔ القرآن : ۱۶ : ۴۴

۷۔ القرآن : ۴ : ۶۵

۸۔ مثال کے طور پر دیکھئے : رابرٹ بریفالٹ "The Making of Humanity" ص ۱۸۴ تا ۲۰۲ ' لاہور ۱۹۸۰ء

۹۔ محمد الغزالی ' فکر و نظر (جنوری ۔ مارچ ۱۹۹۵ء) جلد ۳۲ شمارہ ۳ ص ۳۰ ' ۴۸

۱۰۔ القرآن : ۲ : ۱۶۴ القرآن : ۳ : ۱۸۹ تا ۱۹۱ ' القرآن : ۳۰ : ۱۷۔ ۲۴

۱۱۔ القرآن : ۶۷ : ۱:۶۷ ' (سورۃ القمر اور سورۃ الرحمن میں بھی یہ مضمون تفصیل سے مذکور ہے)

۱۲۔ القرآن : ۲۵ : ۴۳

۱۳۔ القرآن : ۳۹ : ۱۷۔ ۱۸

۱۴۔ القرآن : ۳۹ : ۹

۱۵۔ ظاہر ہے کہ گنتی کے چند افراد ' ماہرین امراض قلب ' ہی کو ایسا موقع میسر آیا ہے اور ان گنے چنے افراد کو بھی گذشتہ چند دہائیوں سے ہی یہ موقع میسر آنے لگا ہے کہ وہ براہ راست انسانی جسم میں دل کو دھڑکتا دیکھ سکیں لیکن اس امکان سے بہت پہلے سے دل کا جسم میں موجود ہونا اور اس کا مرکزی کردار ادا کرنا ایک امر مسلم تھا۔ علاوہ ازیں آج بھی تمام انسانوں کا سینہ چیر کر نہیں دیکھ لیا گیا ہے جس کی بنیاد پر یہ دعوی کیا گیا ہو کہ ہر انسان کے سینہ میں دل دھڑکتا ہے بلکہ محض چند انسانوں کے جسموں میں ہی اس کا مشاہدہ اس یقین کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ہر انسان کو اپنے جسم کے اہم ترین حصہ کے متعلق بھی جو علم حاصل ہے وہ بھی محض ایک قسم کے ایمان بالغیب پر مبنی ہے۔

★★★